© rasailojaraid.com

واقعات درسِ عبرت کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔ رسالہ موضوعِ بحث کے لحاظ سے مختصر مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔

یہ رسالے عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان میں کسی کتاب کا ہونا یوں کوئی تعجب اور خاص اہمیت کی چیز نہیں۔ مگر ان رسالوں کا عربی زبان میں ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مصنف عربی کے مشاق انشا پرداز اور صاحبِ طرز اہلِ قلم ہیں۔ یوں تو برِصغیر پاک و ہند میں عربی جاننے والوں کی کوئی کمی نہیں، مگر لکھنے والوں کی بہت کمی ہے۔ بہرحال اس ملک میں گنتی کے جو دو چار عربی کے مستند اہلِ قلم ہیں، ان میں مصنف کا بھی شمار ہے، بلکہ انہیں اپنے ہم چشموں میں نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اب ان رسائل کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ عرب ملکوں کے مسلسل سفر اور طولِ قیام نے ان کی زبان میں مزید جلا پیدا کر دی ہے اور ان کا طرزِ نگارش اور بھی نکھر گیا ہے۔ علی میاں (مصنف اپنے نیاز مندوں کے حلقے میں اسی مختصر اور محبوب نام سے یاد کیے جاتے ہیں) اپنی عام زندگی، معاشرت اور رہن سہن میں تو حد درجہ سادہ بلکہ متقشف واقع ہوئے ہیں، مگر انشا و تحریر میں وہ اچھے خاصے روشن خیال، اور متجدد (ماڈرن) ہیں، اتنے متجدد کہ ان کے دیرینہ نیاز مندوں کو ان کا یہ تجدد اور روشن خیالی کھٹکتی ہے۔ زبان و انشا میں وہ جدید مصر کے پیرو اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ مصر کے اکثر نئے لکھنے والوں کی طرح وہ بھی احساس کمتری کے لیے مرکب النقص[1]، اور Against کے لیے ضد[2] استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ Inferiority complex کا ترجمہ "مرکب النقص" بالکل لفظی اور مہمل ہے۔ اسی طرح ضد کے معنی نقیض کے ہیں۔ اس سے Against کا مفہوم کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ یہ دونوں مثالیں نمونے کے طور پر دی گئی ہیں۔ راقم اپنی زندگی اور معاشرت میں آزاد ہونے کے باوجود ادب و انشا میں بے اعتدالی و آزادی کا حامی نہیں۔ یوں متجددین کی زبان میں اسے قدامت پسندی (محافظت) سے بھی تعبیر

---

[1] الدعوة الاسلامیة۔ ص ۲۴

[2] شاعر الاسلام۔ ص ۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک آدھ جگہ پیدائشی "ہندیت" کی پرچھائیں بھی نظر آتی ہے۔ اعوض عن اذنکم (آپ کی اجازت سے عرض کرتا ہوں) جیسا "اردونما" فقرہ علی میاں کے قلم سے نکلنا حیرت انگیز ہے۔ شاید یہ فروگذاشت "بشریت" کی تکمیل کے لیے ہو۔ کہیں کہیں نحوی خامیاں بھی نظر آئیں، مگر ان سے کون بچ سکتا ہے؟

ان دو چار معمولی فروگذاشتوں کو چھوڑ کر ان رسالوں کی زبان عربی انشا کا اچھا نمونہ ہے اور ایک ہندی نژاد کے لیے قابلِ فخر۔ اور اس کامیابی پر علی میاں، ہماری دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

نوعمروں کو دین کی طرف مائل کرنے اور

خواتین میں صحیح اسلامی مزاج پیدا کرنے کے لیے

پندرہ روزہ **"الحسنات"** ۔ رام پور۔ یو۔ پی

کا مسلسل مطالعہ بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے

آپ بھی تجربہ کریں

سالانہ چندہ ۸ روپے فی پرچہ ۴ ر

پاکستان کے خریداران اپنی رقم دفتر اخبار کوثر گوالمنڈی لاہور بھیج کر رسالہ جاری کرائیں یا پھر

وی۔ پی کے لیے ہمیں لکھیں ——— منیجر

لہ التحدث الی الاخوان ص۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلہ تقدیر کا الٹا استعمال

نعیم صدیقی

(قسط دوم)

احکامِ جہاد اور مسئلہ تقدیر: جہاد کے لیے جو خطبات قرآن میں نازل ہوئے ہیں اُن میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس میں جہاد کے احکام کے ساتھ ساتھ حقائقِ تقدیر نہ بیان ہو رہے ہوں۔ یہ محض اس لیے کہ جہاد کی قربانی پر اطمینانِ قلب کے ساتھ آمادہ کرنے میں ان حقائق کا علم ممد ہوتا ہے مثلاً سورۃ النسا میں جہاں فرمایا کہ "مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ---- الخ۔ وہاں دلوں کا چور پکڑا کہ تم شاید موت سے ڈرتے ہو تو سن لو کہ :-

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ

تم جہاں بھی ہو (اپنے وقت مقررہ پر) موت تم کو آلے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ پناہ لیے ہوئے ہو۔

دیکھیے کہ موت کے اٹل تقدیر ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ موت کا خوف دل سے الگ رکھ کے مسلمان فریضۂ جہاد پر کمربستہ ہو جائے۔

اسی سلسلۂ کلام میں نفاق زدہ لوگوں کی ایک بیماری اور پکڑی کہ وہ "اطاعت رسول" میں اس لیے کوتاہ ہو رہے تھے کہ رسول پر پورا پورا اعتماد نہ تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ إِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۔ یعنی کوئی اچھی صورت پیش آئی تو کہا کہ یہ تو اللہ کا کرم ہے اور کوئی تکلیف پہنچی تو رسول پر الزام رکھ دیا کہ اس کی تدبیر ہی ایسی تھی، ہماری رائے پر کام کیا جاتا تو یہ نہ ہوتا۔ ان کو جواب دلوایا گیا کہ "كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ!"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے بھلائی ہو یا برائی اُس کا وقوع اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہوتا ہے لیکن پھر ایک دوسرے پہلو سے اسی حقیقت کی جھلک یوں دکھائی کہ "جو بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن جو کوئی برائی تم کو ملتی ہے تو وہ تمہارے اپنے نفس کے فساد کا نتیجہ ہوتی ہے" اللہ اسے تمہاری طرف پلٹا دیتا ہے۔

اس نظام تقدیر کو بیان کرنے سے سارا مقصد یہ تھا کہ "اطاعتِ رسول ؐ کے بغیر اللہ کی اطاعت کے کوئی معنی نہیں۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

اسی طرح آل عمران (آیات ۱۴۴ تا ۱۴۵) میں بھی جہاد ہی کے موضوع پر بات کرتے کرتے موت کے مقدر ہونے کو واضح فرمایا ہے کہ :۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا۔ — اور کسی جان میں یہ تاب نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے جو ایک وقتِ مقرر کے لیے قلمبند کیا گیا ہے

آل عمران ہی میں جہاد پر بات کرتے ہوئے منافقین کے اس فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کے متعلق یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ لوگ اگر ہماری مانتے اور ہماری طرح ذرا بچ کے رہتے تو مارے نہ جاتے۔ اس طرح کی باتیں مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی تھیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں بھی اپنی تقدیر ہی کا راز بیان کیا کہ

قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الیٰ مضاجعھم — کہہ دو (اے محمدؐ!) کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تو وہ لوگ بہرحال اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلتے جن کے لیے قتل مقدر تھا۔

یہ کلمات جہاد سے جی چرانے والوں کے فلسفہ کے جواب میں کہہ کر جہاد کا جذبہ رکھنے والوں کی ہمت بندھائی جا رہی ہے۔ تقدیر کا بیان یہاں بھی معصیت سے روکنے اور طاعت پر ابھارنے کے لیے ہے۔

یہی گروہ منافقین پھر زد پہ آتا ہے۔ اس گروہ کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں پر مصیبت پڑے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوش۔ اور ان کو کامیابی ہو تو مغموم ! جنگ احد میں جب مسلمانوں کو زک پہنچی تو یہ لوگ بغلیں بجاتے پھرتے تھے کہ دیکھو، ہم عقلمند تھے، میدان جنگ میں نہ گئے، اور تم بیوقوف تھے، موت کے منہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں میں ان کی ان باتوں کا جو ردِ عمل پیدا ہو رہا تھا اس کو صحیح رُخ پر ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم سے یہ جوابی کلمہ کہلوایا کہ :

لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰىنَا ج وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥

ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا بجز اس کے کہ اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہو۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور چاہیے کہ اہل ایمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

اس جواب میں طمانیت، مضبوطی، استقامت اور توکل کی کیسی زوردار روح کام کر رہی ہے۔ لیکن کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس سے اُلٹا اپنے لیے بے اطمینانی، تذبذب، ڈھل مل یقینی اور مایوسی اخذ کریں۔

پھر کچھ اور کمزوریاں ہیں جو میدانِ جہاد میں اثر دکھاتی ہیں۔ ان کی طرف "منکم من یرید الدنیا" کہہ کر اشارہ کیا اور میدانِ احد میں اس کمزوری کا مزہ چکھایا۔ پھر اس واقعہ کا ذکر یوں کیا کہ :۔

اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اُخرٰکم فاثابکم غمّا بغمّ لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم ولا ما اصابکم

ذرا یاد کرو وہ موقع جب تم (آگے ہی آگے) چڑھے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، حالانکہ رسول تم کو پیچھے سے پکار رہا تھا، چنانچہ (رسول کو) دکھ دینے کے بدلے میں تم کو بھی دکھ پہنچا — (یہ توضیح اس لیے ہے کہ) نہ تو اس پر جو ہاتھ سے جائے اور نہ اس پر جو پیش آئے کوئی ملال کرو۔

یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے کو تو نہ مالِ غنیمت کے ہاتھ سے جانے کی پرواہ ہونی چاہیے اور نہ موت کی نہ زخم لگنے کی، لیکن تم میں چونکہ دنیا پرستی کام کر رہی تھی اس لیے تم تھوڑی دیر کے لیے ابتلا میں آگئے۔

اسی سلسلے میں یہ بتایا کہ خدا کی نافرمانی اور رسول کی ناراضی کے ساتھ الٹی سیدھی تدبیروں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگ آزمائی کرتا کس کام کا۔ اور اپنی کثرت پر اترانا چہ معنی، جبکہ فتح کا فیصلہ دراصل اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المومنون

اللہ اگر تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد اور کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

آل عمران ہی کی بڑی مشہور آیت (۲۸ - ۲۷) جو جبریت کا خزانۂ نکات بن کے رہ گئی ہے، وہ بھی دراصل جہاد اور معرکہ ہائے کفر و دین ہی کے لیے مومنین کے جذبات کی آبیاری کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کہو کہ اے ہمارے اللہ! تو ہی سلطنت کا مالک ہے، تو اپنے دست خیر و برکت سے جسے چاہے ملک (کی باگ ڈور) سونپ دے اور جس سے چاہے ملک (کی باگ ڈور) سلب کر لے، جسے چاہے غلبہ دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے! بلاشبہ تو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ تو رات کو دن میں پروتا ہے اور دن کو رات میں پروتا ہے اور زندہ کو مردہ میں سے برآمد کرتا ہے اور مردہ کو زندہ میں سے، اور تو جسے چاہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے۔

اس آیت میں اہل ایمان کو جس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے دشمن اور حق کے مخالفین چاہے کتنے ہی دبدبے اور طنطنے دکھائیں، کتنی ہی تیاریوں کا مظاہرہ کریں، کیسے ہی جبار بنیں، قوت اور سازوسامان پر کتنا ہی کبر دکھائیں اس دنیا کے نظم پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ جب ایک نئی ابھرتی ہوئی اور بظاہر کمزور سی قوت کو اقتدار دینا چاہے تو اس کا راستہ کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جس بڑی سے بڑی قوت سے تسلط کا منصب واپس لینے کا فیصلہ کرے، پھر اس کا کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ وہ غلبہ رکھنے والوں کو مسندِ نخوت سے نیچے پٹخ دے یا ان کے پیروں میں روندے جانے والوں کو اٹھا کر عزت کے تخت پر بٹھا دے، کسی کا دانت پینا حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ مایوسی اور مصیبت کی تاریکیوں میں سے امیدوں اور کامرانیوں کی صبح کو ابھار کے لاتا ہے اور کفر و شرک کی شبِ تیرہ کے شکم سے ایمان و اسلام کا سورج برآمد کرتا ہے۔ اور پھر وہی ہے جو متکبرین کے کبر اور مترفین کی عیاشیوں اور ظالمین کے ظلم و ستم کے دن کو نامرادی کی رات میں بدل دیتا ہے۔ وہ عالمِ جسمانی میں بھی اور روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی مردوں کے اندر سے زندگی کا طوفان اٹھا دے تو، اور ایسے ہی وہ زندوں کو مردوں میں بدل دے تو، کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور پھر وہی ہے کہ کسی سے مادی و روحانی رزق سلب کر لے اور کسی پر اپنے رزق کے دروازے کھول دے تو آڑے آنے والا کوئی نہیں۔

یہ آیت اپنے مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر آیتِ انقلاب ہے، یہ مشیت کے نظامِ تغیّر کو واضح کرتی ہے اور وہی بات کہتی ہے جسے حضرت عیسیٰ نے کہا کہ کتنے ہی آگے ہیں کہ جو پیچھے ہو جائیں گے اور کتنے ہی پیچھے ہیں کہ جو آگے آ جائیں گے۔ مگر ساتھ کے ساتھ یہ آیت اس غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے کہ تغیرات کا تقدیری نظام کوئی غیر حکیمانہ نظام نہیں ہے کہ تقدیر اندھے کی لاٹھی کی طرح حرکت کرے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دستِ خیر کے ذریعے ہو رہا ہے اور ہر تغیر کے پیچھے حکمت و مصلحت موجود ہے اور ہر الٹ پھیر کے لیے قوانین ہیں۔ اس آیت میں "بِیَدِكَ الْخَیْرُ" کے الفاظ ہی اصل سرچشمۂ تسلّی ہیں کہ خدا تعالیٰ جب سارے تغیرات خیر کے لیے کر رہا ہے تو پھر وہ لوگ جو ایک نظامِ خیر و فلاح کے لیے معرضِ کشمکش میں ہوں ان کو مطمئن ہونا چاہیے کہ تبدیلی آئے گی تو ان کے ہی حق میں آئے گی۔

اس آیتِ انقلاب کا اصل منشا کشمکش اور جہاد کے مراحل میں مومنین کو ثبات عطا کرنا تھا، لیکن دنیا نے اسے بھی جبریت کے سرد خانے (Cold storage) میں رکھ کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت سے کچھ اوپر یہی حقیقت ایک اور انداز میں واضح کی گئی ہے۔ یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ اگر تم پر ذرا کچھ آنچ آگئی ہے تو اس کی وجہ سے نہ تو ڈھیلے پڑو اور نہ ملول ہو کے پڑ رہو، جہاں تم کو گزند پہنچا ہے وہاں دوسروں کو بھی پہلے گزند پہنچ چکا ہے، خود نظامِ تقدیر کا ایک گوشہ بے نقاب کر دیا کہ:۔

وتلك الايام نداولها بين الناس۔ — اور ان دیسے اور بھلے، ایام کو ہم اسی طرح لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نفع و نقصان، کامیابی و ناکامی، مایوسی و امید، فتح و شکست کے حوادث کا تو ایک چکر ہے جسے قدرتِ الٰہی برابر گھما رہی ہے کہ کبھی تاریک رُخ سامنے آجاتا ہے اور کبھی روشن رُخ، کبھی دن ہے کبھی رات، کبھی اپنی بن آتی ہے کبھی مخالف کی، اور جن کو اپنا راستہ بنانا ہوتا ہے وہ حوادث کے اسی الٹ پھیر کے درمیان سے بنائے جاتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ توضیح بھی کر دی گئی ہے کہ گردشِ تقدیر کا ایک اصول یہ ہے کہ کفار کے مقابلے میں غلبہ اہلِ ایمان ہی کو ملتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں اہلِ ایمان ہوں۔ مسلمانوں میں یقین و طمانیت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ واضح اور کونسے الفاظ ہونگے۔

پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اسی گردشِ ایام کی کٹھالی میں پڑ کر تو وہ ایمان والے نکھرتے ہیں کہ جن کو اللہ منصبِ شہادت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ اس اشارے میں خود یہ دعوت شامل ہے کہ منصبِ شہادت کے قابل بنو اور آزمائش آئے تو کھرے بن کر نکلو۔

آیت عدوجہد میں زیادہ سرگرمی کی دعوت دے رہی ہے، مگر یہی آیات ہیں کہ جن کا موقع و محل نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ ان کو جمود و ملال ہی پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں قصۂ طالوت کے اندر ایک حقیقتِ تقدیر یہ بھی واضح کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نظامِ مشیت نہ بناتا جس میں بگڑ جانے والوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے دوسرے بہتر لوگ اٹھائے جاتے رہیں تو ساری زمین اخلاقی فساد سے بھر جاتی۔ یہاں پھر یہ اشارہ اخذ ہوتا ہے کہ دشمنانِ حق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا جو فیصلہ آج تم دیکھتے ہو اسے تہ و بالا کر نے ہی کے لیے تو نظامِ تقدیر کے تحت تم میدان میں آئے ہو۔ پھر جھجک کیسی! ہمت سے کام لو اور ٹکرا جاؤ!

تحریکِ انفاق کے لیے بیانِ تقدیر

انفاق بھی طاعتِ الٰہی کا ایک بڑا شعبہ ہے۔ چنانچہ رزق کا نظامِ تقدیر بالعموم ان مواقع پر واضح کیا گیا ہے جہاں انفاق کی ترغیب دلانا مطلوب تھا۔ مگر کتنی عجب بات ہے کہ رزق کے نظامِ تقدیر کو زرپرست بخیلوں نے انفاق سے گریز کے لیے دلیل بنایا ہے۔ سورۂ یٰسین میں دیکھیے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۔ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔

اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے انفاق کرو تو یہ کفر کرنے والے ایمان والوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کو ہم کھلائیں جن کو اگر اللہ کھلانا چاہتا ہوتا تو خود کھلاتا۔ تم لوگ تو نہایت واضح گمراہی میں مبتلا ہو!

دیکھیے طاعت سے بچنے کے لیے کس شاندار طریق سے مسئلۂ تقدیر (جبریت) کو آڑ بنایا گیا تھا اپنی ذمہ داریاں اٹھا کے کفار نے خدا کے سر ڈال دیں۔ خدا کا تقدیرِ رزق کا نظام تو تفاوت کے ساتھ رزق دیتا ہے تاکہ آزمائش کا مقام پیدا ہو اور جہاں کچھ لوگوں کے لیے صبر و کسب لازم آئے وہاں دوسروں کے لیے شکر و انفاق واجب ٹھہرے لیکن جب اُن سے مطالبہ ہوا کہ انفاق کرو تو وہ فرماتے ہیں کہ خدا خود ہی غریبوں کی دست گیری، یتیموں کی کفالت اور مساکین کی چارہ گری کیوں نہیں کر دیتا؟ جب اس نے ان کو غریب و مجبور بنایا ہے تو ہم کیوں بیچ میں مداخلت کریں۔

بات یہیں تک نہ رہی، بلکہ جب اللہ کے نام پر انفاق کا مطالبہ ہوتا تو کفار طنزاً کہتے کہ لو بھائی دیکھنا خدا غریب ہو گیا ہے اور اب ہم ہی غنی رہ گئے ہیں کہ اس کی کچھ مالی مدد کریں۔

لیکن قرآن تقدیرِ رزق کو بیان کرتا ہی ترغیبِ انفاق کے لیے ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالبہ کیا کہ اللہ کو قرض حسنہ دو، یعنی اس کی راہ میں مال خرچ کرو تو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ۔ اور اللہ ہی (روزی کو) تنگ اور فراخ کرنے والا ہے ۔

یعنی انفاق میں اس اندیشے سے کوتاہی نہ کرو کہ تمہارے حصے کا رزق کم ہو جائے گا اور تم جوکوں مروگے نہیں جو اللہ انفاق کا حکم دے رہا ہے، روزی کو تنگ اور فراخ کرنے کے اختیارات بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پس بخیل نہ بنو!

یہی بات سورۂ بنی اسرائیل میں کہی جہاں یہ فرمایا کہ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ وہاں ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ :-

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ — یقیناً تیرا آقا اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو وسیع یا محدود کرتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے ۔

یہاں بھی رزق کے نظامِ تقدیری کو اسی لیے بیان کیا کہ نہ اپنے اخراجات میں مسرف بنو، نہ حق کی راہ میں صرف کرتے ہوئے بخیل بنو، بلکہ اعتدال سے چلو کہ اپنی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور دین کی تحریک بھی چلے۔ اور انفاق کرتے ہوئے یہ یقین رکھو کہ رزق دینے والا مالک تمہاری ضروریات سے باخبر اور تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے اور رزق کی فراخی و تنگی کرنے کے سارے ذرائع اس کے ہاتھ میں ہیں۔ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا " میں بالکل نمایاں طور پر شفقت اور کارسازی اور کفالت کی یقین دہانی موجود ہے ۔

قتل اولاد کی ممانعت اور تقدیرِ رزق سورۂ بنی اسرائیل میں اور دوسری جگہ بھی اہلِ عرب کو قتلِ اولاد سے روکا گیا ہے۔ عرب میں اولاد (خصوصاً بیٹیوں) کو جن وجوہ سے قتل کیا جاتا تھا ان میں سے ایک بڑی وجہ مفلسی کا ڈر بھی تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ کنبے کے افراد اگر بڑھ گئے (اور لڑکیاں بیاہی کا ڈر تو ہوتی ہی نہیں) تو تنگ حالی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روکا اور اس کی اصل وجہ پر بھی گرفت کی:-

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم ان کو رزق دینے والے ہیں۔ اور خود تم کو بھی!

یہاں دیکھیے کہ ایک شدید گھناؤنی معصیت سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلایا ہے کہ رزق پہنچانا ہمارا کام ہے اور خوش حالی اور غریبی مقدر کرنے کے اختیارات ہمارے ہاتھ میں ہیں کنبے کے افراد بڑھ جانے سے ضروری نہیں کہ خوش حالی کا خاتمہ ہو جائے اور ان کی افزائش کو روک دینے سے ضروری نہیں کہ افلاس سے بچا جا سکے۔ لہٰذا اس معصیت سے باز آجاؤ اور اپنی اُلٹی سیدھی تدبیروں سے اپنی تقدیر بنانے کی کوشش نہ کرو۔

اسی اصول پر لونڈیوں سے عزل کرنے کے بارے میں نبی صلعم نے ممانعت فرمائی اور وہاں بھی نظامِ تقدیر ہی کو طاعت پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنایا۔ فرمایا کہ تم کچھ بھی کرو جس جان کا پیدا ہونا مقدر ہے اسے کوئی تدبیر پیدا ہونے سے روک نہیں سکتی!

ہدایت و ضلالت اور تقدیر ہدایت و ضلالت بھی تقدیر کی بحثوں کا ایک بڑا موضوع رہا ہے۔ اس موضوع کو سب سے پہلے شیطان نے چھیڑا تھا۔ وہ حکمِ سجدہ کی تعمیل سے دیدہ و دانستہ خود انکار کرتا ہے لیکن اپنی ذمہ داری کو سر سے اتار کر خدا تعالیٰ پر ڈالنے کے لیے کہتا ہے کہ "رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ" اس کا مدعا یہ تھا کہ میں تو طاعت ہی کرنا چاہتا تھا لیکن تیری مشیت نے ایسے حالات میرے لیے پیدا کر دیئے کہ میں بغاوت پر بالکل مجبور ہو گیا۔ سرکشی میں نے کی نہیں، مجھ سے کرائی گئی ہے۔ کفر مجھے پسند نہ تھا، مجھ پر ٹھونسا گیا ہے۔ اپنے ان الفاظ کی روشنی میں شیطان فلسفۂ جبریت محضہ کا سب سے پہلا بانی ہے۔ مجرمین اور ضالین کی یہ خوشنما پناہ گاہ اسی کی بنائی ہوئی ہے۔

اسی شیطان کے شاگرد وہ بھی تھے جنہوں نے نبی صلعم کی دعوتِ ایمان و طاعت کے جواب میں یہ کہا تھا کہ:-

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ ۔ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط — کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو اپنے لیے حرام ٹھیراتے!

یعنی ہمارا شرک اور خدا کے مقابلے میں ہماری شریعت سازیاں کچھ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ہم خود سوچ سمجھ کر اس چکر میں پڑے ہیں، بلکہ خدا نے خود ہم سے یہی چاہا ہے اور ہم کٹھ پتلیوں کی طرح یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے اگر وہ چاہتا کہ ہم یہ کچھ نہ کریں تو وہ ہمیں باز رکھ سکتا تھا۔ ہم بتوں کے سامنے سر جھکانا چاہتے اور وہ ہماری گردنیں پکڑ لیتا، ہم کسی حلال شے کو حرام کہنے کا ارادہ کرتے اور وہ ہماری زبان کو باندھ دیتا، بھلا اس کی عظیم الشان طاقت کے مقابلے میں ہماری کیا بساط تھی کہ ہم اس کی مرضی کے خلاف کسی اور طرف قدم بڑھا سکتے۔

ان کلمات کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے علم و اختیار کی، اپنے منصب خلافت کی، اپنی انسانیت کی، اپنے ارادہ و انتخاب کی، اپنی قوت تمیز کی کُلی نفی کر دی اور سرے سے ذمہ دارانہ پن کی کوئی بنیاد ہی گویا نہ چھوڑی کہ اس بنیاد پر ان کو دعوتِ دین دی جا سکے۔

بھلا ان سے کوئی پوچھتا کہ اگر تم کسی جنگل میں بھٹک جاؤ تو کیا وہاں بھی اسی پوزیشن کو اختیار کرو گے کہ نہ کسی سے راستہ پوچھو، نہ غلط راستے کو چھوڑ کر دوسری طرف مڑو، بلکہ اگر کوئی بطورِ احسان تم کو بتائے بھی کہ یہ راستہ تو چیتوں کے بھٹ کی طرف جاتا ہے، شہر کو جانے والا راستہ اُدھر سے ہو کے گیا ہے تو تم اسے یہ جواب دو کہ اگر اللہ چاہتا کہ ہم اس راستے پر چلیں تو وہ ہمیں خود ہی چلا دیتا، اب تو اس نے اِدھر ہی چلا دیا ہے لہٰذا اِدھر ہی چلیں گے، چاہے آگے چیتوں کے بھٹ ہوں یا آگ کے گڑھے؟

مگر نہیں، تقدیر کا یہ جاہلانہ تصور روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرنے کے لیے تھوڑی ہے۔ یہ تو صرف ایمان و اخلاق اور قلب و روح کی دنیا میں کام دیتا ہے۔

ایک اور جگہ تقدیر کے اسی استعمال کا تذکرہ یوں ہوا ہے:۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ — اب یہ شرک کرنے والے (دعوت الی اللہ کے جواب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝

یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا نہ شرک کرتے اور نہ (مشرکانہ عقاید کے تحت) کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ان سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسی ہی باتوں سے دعوتِ حق کو جھٹلایا، یہاں تک کہ ہماری گرفت کا مزہ چکھ کے رہے۔ پوچھیے ان سے کہ کیا تمہارے پاس (اس معاملے میں) واقعی کوئی علم ہے؟ اگر ہے تو لاؤ ہمارے سامنے۔ تم جن خیالات کے پیچھے چل رہے ہو وہ محض گمان ہیں اور تم محض تیر تکے چلاتے ہو!

تقدیر کا یہ تصور جو ضلالت پر جمے رہنے کی دلیل بن جائے اور جو ہدایت کی طرف مائل ہونے میں رکاوٹ ہے قرآن اسے ظن و گمان قرار دیتا ہے اور اس طرح کے خیالات کو کہ خدا لوگوں کو جبراً معصیت و ضلالت پر چلاتا ہے اور جسے ہدایت پر لانا ہو اسے زنجیروں میں جکڑ کر زبردستی کھینچ لاتا ہے، خدا کی کتاب میں "تیر تکے اڑانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سب فضول قیاسات اور نو فلسفہ طرازیاں ہیں۔ تقدیر کا یہ تصور قرآن کا نہیں، مشرکین کا ہے؛ خدا کا دیا ہوا نہیں، شیطان کا ایجاد کردہ ہے۔

دراصل دشمنانِ حق جب یہ سنتے تھے کہ ہدایت دینے والا اللہ ہے تو وہ پوری بات نہ سمجھنے کی وجہ سے طنزاً اس طرح کے نکتے نکال کر دعوتِ حق کی مدافعت کرتے تھے۔ ان کا کہنا اصل میں یہ تھا کہ ایک طرف تو تم لوگ کہتے ہو کہ من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ، تو پھر تم ہمیں کس بنیاد پر یہ الزام دیتے ہو کہ ہم ضلالت میں خود پڑے ہیں اور کس بنیاد پر ہمیں بلاتے ہو کہ ہدایت قبول کریں؟ ہدایت و ضلالت جب خدا کے اختیار میں ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری!

مگر مخالف کم بخت کی نگاہ ہمیشہ حقیقت کے پورے منظر کو دیکھنے سے کتراتی ہے اور ادھورا رہ جاتی ہے، پھر ساری بحثیں اور سارے نتیجے اسی ادھورے منظر پر کھڑے کئے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں نے یہ تو سن لیا کہ خدا ہدایت و ضلالت دیتا ہے۔ لیکن ان کے کان یہ نہ سن سکے کہ وہ کیا کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے اور کیا کرنے والوں کو ضلالت دیتا ہے۔ ان تک یہ بات تو پہنچ گئی کہ اللہ کے کرنے کے کام کیا ہیں لیکن یہ نہ پہنچی کہ بندوں کی ذمہ داریاں کہاں تک ہیں۔

قرآن نے خدا کے ہادی و مضل ہونے کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جا بجا یہ بھی بتایا ہے کہ ہدایت و ضلالت کے دروازے کن لوگوں پر کھلتے ہیں، کن کنجیوں سے کھلتے ہیں اور کونسے افکار و اعمال کے ساتھ ان دروازوں میں کسی کا داخلہ ممکن ہوتا ہے، اور دونوں طرف کیا کیا قوانین کار فرما ہیں۔ ہدایت و ضلالت کی تقدیر میں انسان کا اپنا جو کچھ حصہ ہو سکتا ہے وہ خوب اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

ہدایت و ضلالت کی تقدیر قرآن میں تمام تر اسی لیے بیان ہوئی ہے کہ لوگ ضلالت سے بچنے اور ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک طرف قرآن یہ بتاتا ہے کہ فلاں فلاں آلائشیں دل سے پاک کرو گے تو اس کے دریچوں سے اللہ کے نور کی شعاعیں داخل ہونگی اور فلاں فلاں حرکتیں کرو گے تو یہ دل کے دریچوں کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا موجب ہونگی۔ ہدایت کا ایک راز یہ ہے کہ مانگو گے تو ملے گا، کھٹکھٹاؤ گے تو دروازے کھلیں گے، اپنے حواس کی کھڑکیاں کھلی رکھو گے تو روشنی اور تازہ ہوا اندر آئے گی، تعصب کے پردے اٹھاؤ گے تو حقیقتیں تمہارے گھر میں داخل ہونگی، تم خود آگے بڑھو گے تو تمہارا استقبال کیا جائیگا، اپنی آنکھیں کھولو گے تو دیکھو گے اور اپنے کان لگاؤ گے تو سنو گے۔

قانون ہدایت یہ ہے کہ:۔

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝	اللہ (اپنے نور اور کتاب) کے ذریعے ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے پیرو کار ہوں اور سلامتی کے راستوں پر چلیں، اور پھر وہ ان کو اپنے قانون کے تحت مختلف تاریکیوں سے نکال کر روشنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لاتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

یعنی ہدایت اس کے لیے ہے جو خدا کی رضا کو پیش نظر رکھے اور زندگی کے تمام معاملات میں سلامتی کے راستوں کا جویا ہو۔ یہاں تقدیر ہدایت بیان کرنے کا اصل مقصود یہی ہے کہ طالبین ہدایت کو رضاءِ الٰہی کے اتباع اور سُبل السلام پر چلنے کا جذبہ نصیب ہو۔ نہ کہ وہ آنکھیں بند کر کے چل نکلیں کہ اللہ خود ہی جدھر چاہے گا لے جائے گا۔

پھر فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

اور وہ لوگ کہ جنہوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی انہیں ہم زندگی کے ہر میدان میں، اپنے راستے بہر حال دکھائیں گے۔

یہ ہے اللہ کا قانون تقدیر ہدایت و ضلالت کے بارے میں۔ اس کے بیان کا مدعا یہی ہے کہ لوگ ہدایت الٰہی کی طلب میں اس کے راستے میں جدوجہد کرنے کی اسپرٹ لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے گا۔

فلسفۂ تقدیر کا الٹا استعمال اوپر کی چند مثالوں کو سامنے رکھ کر اگر آپ سوچیں تو یہ حقیقت بہت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ قرآن کا فلسفۂ تقدیر ایمان و عمل اور جدوجہد کا فلسفہ ہے۔ لیکن جو لوگ اسے جمود و معصیت، خواہش پرستی اور بے دینی کے جواز کی دلیل بناتے ہیں دراصل ان کا فلسفۂ تقدیر ہے ہی بالکل دوسرا۔ ان کا نظریۂ تقدیر قرآن کے بالکل برعکس ہے۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

© rasailojaraid.com